انتخابات ۱۹۴۵ء-۴۶ء اور پنجاب

فرح گل بقائی*

The Elections of 1945-46 confirmed that Muslims of India support Muslim League and they desire for separate homeland. The whole campaign of Muslim League was on communal basis, that Muslims of India are a separate nation. After World War II British were to leave India, as promised by them and would make provision for separate homeland for Muslims in areas where they were in majority i.e., North Western and Eastern parts of India and declare these majority areas as Pakistan. The Muslim League refused to live under the dominance of Hindus Congress Party. By the same token, Sikhs and Hindus in Punjab refused to live under the dominance of Muslims, as Muslims were in majority in Punjab. The Elections of 1945-46 heralded the creation of Pakistan as an independent Muslim state. It also divided Punjab, which was a very painful experience for its people, whether they were Hindus, Muslims or Sikhs. Politics have their own dilemmas, how much it serves people and how much it makes people suffer. In this scenario, 1945-46 elections need to be probed. Throughly this article gives dispassionate view of 1945-46 elections.

انتخابات ۱۹۴۵ء-۴۶ء

۱۹۴۵ء میں منعقد ہونے والی شملہ کانفرنس کی ناکامی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ کانگرس مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھی اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد ایسے گنتی کے چند مسلمانوں کو پیش کر کے مسلمانوں کی حق نمائندگی کا دعویٰ بھی رکھتی تھی جبکہ اس کے برعکس قائداعظم کا موقف یہ تھا کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ

---

* سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، مرکز فضیلت، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ہے۔ لہٰذا صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔[۱]

اگست ۱۹۴۵ء میں برطانیہ میں انتخابات ہو چکے تھے جس کے نتیجے میں لیبر پارٹی بر سر اقتدار آئی تو ہندوستان میں بھی تبدیلیوں کی توقع پیدا ہوئی۔ ۲۱ اگست ۱۹۴۵ء کو وائسرائے ہند نے اعلان کر دیا کہ مرکزی و صوبائی انتخابات آئندہ موسم سرما میں کرائے جائیں گے۔ بعد میں یہ بھی اعلان ہوا کہ انتخابات کے بعد سیاسی پارٹیوں کو صوبوں میں اقتدار ملے گا اور حکومت صوبائی اسمبلیوں سے دستور ساز اسمبلی کی ساخت کے بارے میں مشورہ کرے گی۔

اب مستقبل کا دارو مدار انتخابات کے نتیجے پر تھا۔ مسلم لیگ جو اب پہلے سے کہیں زیادہ منظم جماعت بن چکی تھی نے اعلان کر دیا کہ یہ انتخابات پاکستان کے سوال پر لڑے جائیں گے۔ کئی اہم شخصیات مسلم لیگ میں شامل ہو چکی تھیں۔ ان میں خان عبدالقیوم خان، ملک لال خان، ملک فیروز خان نون، محی الدین کٹی، مولوی عبدالحمید، میاں افتخار الدین، چودھری محمد حسین، علی حیدر خان اور دانیال لطیف کے نام قابلِ ذکر ہیں۔[۲]

قائد اعظم نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کے دورے کیے اور مسلمانوں پر انتخابات کی اہمیت واضح کی۔ آپ کی تقاریر مسلمانوں کی سیاسی تربیت کے لیے بڑی اہم تھیں اور ان سے مسلمانوں میں جوش و ولولہ پیدا ہو گیا۔ آپ نے انتخابات میں شرکت کے لیے سرمایہ جمع کرنے کی مہم شروع کی مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر عطیات دیئے اور اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ اِس دوران مسلمان طالب علموں نے بھی مسلم لیگ کے لیے بہت کام کیا۔ یہ نوجوان دور دراز علاقوں اور دیہاتوں میں گئے اور مسلم لیگ کے مقاصد دیگر نوجوانوں کو بتائے اور حمایت کا وعدہ حاصل کیا۔[۳]

کانگرس نے اپنی انتخابی مہم میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ ایک قومی جماعت ہے اور اسے ہندوؤں اور مسلمانوں کی تائید حاصل ہے۔ اس ضمن میں اسے نیشنلسٹ اور مسلمانوں کے چند دیگر طبقات کی طرف داری حاصل تھی۔ مولانا ابو الکلام آزاد اور دیگر مسلمانوں کو منظرِ عام پر لا کر مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی۔ مسلم لیگ نے اپنے اُمیدوار نامزد کرنے کے لیے لیاقت علی خان کی صدارت میں پارلیمنٹری بورڈ قائم کیا۔ مسلم لیگ نے اِن انتخابات کے سلسلہ میں کئی اشتہارات جاری کیے۔ جن میں مسلمانوں سے مسلم لیگ کی حمایت کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ، جمعیت علماء ہند، قوم پرست، مجلس احرار، شعبہ پولیٹیکل پارٹی، خاکسار

تحریک، سنی بورڈ، مومن کانفرنس، جی ایم سید گروپ، پروجا(Proja) (آسام)، کمیونسٹ، یونینسٹ پارٹی اور امارت بنگال پارٹی نے حصہ لیا۔[۴]

دسمبر ۱۹۴۵ء میں منعقد ہوئے مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلمانوں کے لیے ۳۰ نشستیں مخصوص تھیں۔ اگرچہ کانگرس قومی جماعت ہونے کا دعوی کر رہی تھی، لیکن ایک بھی مسلم نشست حاصل نہ کر سکی۔ جمعیت العلماء احرار، خاکسار اور مسلم مجلس وغیرہ کا بھی کوئی اُمیدوار کامیاب نہ ہو سکا۔ مسلم لیگ کے آٹھ اُمیدوار بلا مقابلہ منتخب ہوئے تھے اور باقی ماندہ کے مد مقابل میں سے ۱۹ کی ضمانتیں بھی ضبط ہو گئیں۔ غیر مسلم حلقوں میں کانگرس کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ انتخابات کے بعد پارٹی پوزیشن یہ تھی۔[۵]

پارٹی	نشست
کانگرس	۵۷
مسلم لیگ	۳۰
آزاد	۵
اکالی سکھ	۳
یورپین	۸
کُل منتخب ارکان	۱۰۲[۶]

رائے شماری

یکم فروری ۱۹۴۶ء سے صوبائی قانون ساز اسمبلی کی رائے شماری شروع ہوئی، جو ۲۰ فروری تک جاری رہی۔ پنجاب قانون ساز اسمبلی کے کُل ممبران کی تعداد ایک سو پچھتر (۱۷۵) تھی۔ ۱۴ ممبر اسمبلی میں بلا مقابلہ شامل ہو گئے تھے، ان میں ۹ کانگرس سے تعلق رکھتے تھے۔ ۳ یونینسٹ تھے اور ۲ مسلم لیگی تھے۔ ووٹرز نے صوبائی اسمبلی کے لیے ۱۶۱ نمائندوں کا انتخاب کرنا تھا۔ انتخابات کے لیے ۳۶۴۰ پولنگ بوتھس صوبے کے مختلف حلقوں میں قائم کیے گئے۔ شہری علاقوں میں انتخاب کے لیے صرف ایک دن، جبکہ دیہی حلقوں میں رائے شماری کے لیے دو ہفتے کا عرصہ مقرر کیا گیا۔ لاہور کے حلقہ کے لیے ۹۷ پولنگ بوتھس کا انتظام کیا گیا اور یکم فروری تا آٹھ فروری ۱۹۴۶ء تک کی تاریخ رکھی گئی۔

مسلم لیگ نے ۸۴ نشستوں پر نمائندے کھڑے کیے جبکہ یونینسٹ نے ۱۰۰، کانگرس ۸۷، اکالی سکھ نے ۲۵، کمیونسٹ ۲۴ اور احرار نے ۱۷ نشستوں کے لیے مقابلہ کیا۔ ۳۰۰ آزاد امیدواروں سمیت ۵۵۵ امیدواروں نے انتخابات میں حصہ لیا۔۷

انتخابات فروری ۱۹۴۶ء

پنجاب اسمبلی ۸۶ مسلم حلقے

نمبر	جماعت کا نام	تعداد اُمیدوار	بلا مقابلہ	مقابلہ	ضمانت ضبط	ناکام	کامیاب	تناسب
۱	مسلم لیگ	۸۵	۲	۷۱	×	۱۲	۷۳	٪۸۵
۲	یونینسٹ	۷۴	۱	۱۱	۸	۶۳	۱۲	٪۱۴
۳	کانگرس	۸	×	×	۸	۸	×	-
۴	احرار	۱۶	×	×	۶	۱۶	×	-
۵	خاکسار	۳	×	×	۳	۳	×	-
۶	آزاد	۸۳	×	۱	۷۰	۸۱	۱	٪۱.۸۶
شہری حلقے ۹ + دیہات = ۷۵ + خواتین = ۲ ۸								

پنجاب میں انتخابات ۱۹۴۵ء-۱۹۴۶ء

۲۱ اگست کو وائسرائے لارڈ ویول نے اعلان کیا کہ اِس سال موسم سرما میں مرکزی اور صوبائی عام انتخابات ہوں گے۔ اِس اعلان کے تین دن بعد وہ برطانیہ کی نئی لیبر حکومت سے مشورہ کرنے کے لیے لندن گیا۔ جہاں سے وہ ۱۶ ستمبر کو واپس دہلی پہنچا اور پھر ۱۹ ستمبر کو اس نے اعلان کیا کہ موجودہ انتخابات کے بعد ایک دستور ساز اسمبلی قائم کی جائے گی اور ایسی ایگزیکٹو کونسل بنے گی جسے ہندوستان کی بڑی پارٹیوں کی حمایت حاصل ہو گی۔ چونکہ اس کے اس اعلان میں برصغیر کی تقسیم کے امکان کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اِس لیے یہ تاثر پیدا ہوا کہ لیبر حکومت کی پالیسی بھی ہندوستان کی وحدت کو قائم رکھے گی۔ چنانچہ جناح نے ایک بیان میں متنبہ کیا کہ ہندوستان کا جو آئینی تصفیہ پاکستان کی بنیاد پر نہیں ہو گا وہ مسلم لیگ کے لیے قابل قبول نہیں ہو گا۔ اِس بیان کا مطلب یہ تھا کہ مسلم لیگ آئندہ انتخابات پاکستان کے نعرے کے تحت ہی لڑے گی اور اِس نے ایسا ہی کیا۔۹

انتخابات ۱۹۴۵ء کا ابتدائی دور

سر سٹیفرڈ کرپس ۲۴ مارچ ۱۹۴۲ء کو لندن سے ہندوستان پہنچے اور اپنے ساتھ برطانوی کیبنٹ کا ایک نیا فارمولا لائے۔ جس کے مطابق جنگ ختم ہونے پر ہندوستان کو ڈومینین کا درجہ ملے گا۔ اِس فارمولے کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

الف جنگ ختم ہونے کے بعد ایک دستور ساز اسمبلی منتخب کی جائے گی، جس کا فرض ہو گا کہ ہندوستان کے لیے نیا آئین وضع کرے۔

ب ریاستوں کو اِس دستور ساز اسمبلی میں شریک کرنے کے لیے بعض قواعد مرتب کئے جائیں گے۔

ج عظیم المرتبت ملکہ معظمہ کی حکومت اِس بات کا ذمہ لیتی ہے کہ جو آئین دستور ساز اسمبلی وضع کرے گی اُسے فی الفور منظور کر لیا جائے گا۔[10]

وزیر اعظم ایٹلی (Atlee) نے اعلان کیا کہ اختتام جنگ پر حکومت برطانیہ کی حاکمیت His Magesty's Government (HMG) کا ارادہ ہے کہ نفرت کی تمام تحریکات کو ختم کر دیا جائے اور منتخب اداروں کو اختیار دیا جائے کہ وہ انڈیا کے لیے نیا آئین تشکیل دیں۔

یہ منتخب نمائندے صوبوں سے آئیں گے اور قانون سازی کا فریضہ سر انجام دیں گے۔ جب انتخابات مکمل ہو جائیں گے تو صوبوں کے تمام نمائندے اکٹھا ہو کر لائحہ عمل بنائیں گے کہ مستقبل میں انڈیا کے لیے کیسی قانون سازی کی جائے۔ صوبوں کے نمائندے لوئر ہاؤس کہلائیں گے۔

تاریخ کا آئینہ اور انتخابات

تاریخ کو جب بھی پڑھا یا سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ایک بنیادی حقیقت کو ضرور مد نظر رکھا جائے اور وہ ہے ''وقت'' اور اُس کے حالات کی ایک تصویر کشی ذہن میں اُتار لی جائے۔

اگست ۱۹۴۵ء میں دوسری جنگ عظیم اختتام پذیر ہوئی۔ دنیا کے سامنے انگریز مغلوب ہوئے اور امریکہ ایک نئی طاقت بن کر ابھرتا ہے۔ امریکی سرکار کا حکم ہے کہ نو آبادیاتی نظام کا خاتمہ اور محکوم ممالک کی آزادی۔ ہندوستان سے انگریز نے نکلنا ہے۔ انگریز کے جانے کے بعد ہندوستان میں جمہوری نظام کے تحت ہندوؤں کی اکثریت تھی اور اِس نظام کا مطلب کہ ہندو ہندوستان پر حکومت کرے کیوں کہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ ہندوستان کے چالیس کروڑ باشندوں میں سے دس کروڑ مسلمان تھے۔[11]

مسلمان ہندوؤں کی حکومت کے لیے کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ وہ انگریز کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ وہ اُن کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑے اور جانے سے پہلے اُن کو آزادی کی نوید سنا دے۔ مسلمانوں نے انگریزوں کا ہر آڑے وقت میں بہت ساتھ دیا تھا۔ دوسری جنگِ عظیم میں بھی مسلمان نوجوان ان کی خاطر اپنی جان کے نذرانے پیش کرتے رہے۔ جہاں بھی جس دنیا کے کونے میں برطانیہ کی بادشاہت نے انہیں تعینات کیا وہ خوشی خوشی وہاں اپنے فرائض انجام دیتے رہے اور انہیں اپنی وفا کا یقین دلاتے رہے[۱۲] اور حکومتی سطح پر اُن کی یہی کوشش رہی کہ انگریز کو ناراض نہ کریں۔ جب اُن کو یقین ہو گیا کہ انگریز اب ہندوستان چھوڑ کر جا رہا ہے تو انگریز سے اُن کا یہی مطالبہ رہا کہ وہ انہیں آزادی کی نعمت سے سرشار کر کے جائے اور ہندوؤں کی حکمرانی اُن پر مسلط نہ ہونے دے۔ وہ انگریز کی غلامی کو تو کسی حد تک برداشت کر لیں گے مگر ہندوؤں کے زیرِ اثر رہنا اُن کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔

اب انگریز کس طرح انتقال اقتدار کرے، اس کا مروجہ طریقہ انتخابات ہیں۔ ہر سطح پر انتخابات، یعنی صوبوں اور وفاق دونوں سطح پر منتخب نمائندے اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں۔

۱۹۴۵ء کے انتخابات مسلم اور غیر مسلم کے لیے ٹسٹ امتحان تھے کہ کیا وہ انگریز سے آزادی چاہتے ہیں یا نہیں؟ جواہر لعل نہرو ایسے لوگوں کے لیے یہ کوئی آسان کام نہیں تھا کہ وہ پاکستان کے وجود کو تسلیم کریں۔ اپنی انتخابی مہم کے دوران لکھنؤ کے ایک جلسے میں نہرو نے فرمایا کہ کیا پاکستان ایک ''خیالی نعرہ'' ہے۔ پنجاب کے ہندو اور سکھ جو پنجاب میں اقلیت میں ہیں وہ پاکستان کے سخت خلاف ہیں اور کوئی اُن پر پاکستان ٹھونس نہیں سکتا۔[۱۳]

دوسرے ہندو لیڈر بھی اِس طرح پاکستان کے قیام کے مخالف تھے، اِن میں پنڈت پانٹ (Pandit Pant) نے لکھنؤ کی اِنتخابی مہم میں کہا کہ ہم پاکستان کے معاملہ میں مسلم لیگ کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ انہوں نے مزید کہا کہ کانگرس ابھی بھی ''انڈیا چھوڑ دو'' (انگریزوں کے لیے) کے نعرہ پر قائم ہے۔ وہ انگریزوں سے آزادی چاہتے ہیں، انہوں نے تین سال دوسری جنگِ عظیم کے دوران ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۵ء تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں اور اب وہ پہلے سے زیادہ مضبوط اور توانا ہیں۔[۱۴]

بہت سے کانگرسی لیڈر ۱۹۴۰ء کی دہائی میں ہندوستان کی جیلوں میں بند تھے۔ پنڈت نے کہا یہ

کہنا کہ متحدہ ہندوستان میں ''اسلام خطرے'' میں ہے، لغو اور بے جا بات ہے۔ مذہب کا آزادی کی تحریک سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جمعیت العلماءِ ہند مسلمانوں کی ایک منظم مذہبی جماعت ہے وہ کانگرس کے ساتھ ہے۔ پنڈت پانٹ نے ببانگ دہل کہا کہ مسلم لیگ کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ مسلمان جو دیہاتوں میں رہتے ہیں انہوں نے نہ مسلم لیگ کا نام سنا ہے نہ اس کے لیڈر جناح کا۔۱۵

ویول نے اپنے مراسلہ جو انہوں نے لارڈ پیتھک لارنس کو ۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو کانگرس کی الیکشن مہم کے بارے میں لکھا بیان کیا کہ کانگرس کی ساری الیکشن مہم انگریز اور مسلم لیگ کے خلاف ہے۔ انہیں تشویش والبھ بھائی پٹیل کے اِس بیان سے تھی کہ ہم کچھ سالوں کے اندر اندر مکمل آزادی حاصل کر لیں گے۔ اِس میں بغاوت اور حکومت کے خلاف جنگ کے خدشات واضح تھے۔ یہ بات والبھ بھائی پٹیل نے بمبئی میں تقریر کے دوران کہی۔۱۶

۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو قائد اعظم محمد علی جناح نے بمبئی میں فرمایا۔ جسے ڈان اخبار نے رپورٹ کیا کہ لیبر گورنمنٹ ابھی تک اندھیرے میں ہے کہ ہندوستان کا قانونی مسئلہ کیا ہے۔ اور وہ ایک الگ طریقے کو اپنائے ہوئے ہیں، کہ ایک وفد برطانیہ پارلیمنٹ سے ہندوستان بھیجا جاتا ہے کہ وہ انڈیا کی قانونی پیچیدگیوں کو سمجھے۔ قائداعظم نے مشورہ دیا کہ برطانوی حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنا لائحہ عمل ہندوستان کی تقسیم پر منتج کریں کہ یہاں پاکستان اور ہندوستان دو ملک بنانے ہیں تا کہ مسلمان اور ہندو دونوں آزادی سے ہمکنار ہو سکیں۔۱۷

لندن ہاؤس آف کامن میں اُن دنوں اِس بات پر بحث و مباحثہ ہو رہا تھا کہ انڈیا میں جو انتخابات عمل میں آئیں گے اُن کے نتائج سے ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ ممکن ہو گا۔ ایک پارلیمانی ممبر میجر وائٹ نے اپنی رائے کا کچھ ان الفاظ میں اظہار کیا کہ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ وزیر اعظم ایٹلی نے کہا ہے کہ ہندوستان میں انتخابات شفاف، آزاد اور منصفانہ ہوں گے انہوں نے مزید کہا یہ حکومتی آلہ کاروں کے لیے قابل تحسین بات ہے جو اس کام میں جتے ہوئے ہیں۔ اُن کے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ کسی کو الیکشن کے عملہ سے کوئی شکایت نہیں تھی، سب اُن کی فرض شناسی کی تعریف کرتے تھے۔ وائٹ نے ہاؤس آف کامن کو بتایا کہ اُن کے پاس بہت سے لوگ آئے اور انہوں نے الیکشن منعقد کرنے والے آفیسر کی تعریف کی کہ اس نے انتخابات میں حصہ لینے والوں کے ساتھ منصفانہ رویہ اختیار کیا۔ مگر انہیں تشویش اُس وقت ہوئی جب انہیں خبر ملی کہ پنجاب میں حکومتی

عملہ ایک سمت جھکا ہوا ہے اور وہ ایک خاص گروپ کی طرف داری کر رہا ہے۔ انہوں نے تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا کہ پنجاب میں حکومت یونیسٹ کی ہے۔ یونیسٹ سب جانتے ہیں کہ برطانوی حکومت کی طرف دار ہے۔ وائٹ نے خیال ظاہر کیا کہ سارے ہندوستان میں شاید صرف یونیسٹ ہی ایک جماعت ہے جو قوم پرستی کے خلاف ہے۔ اور اُن کی خواہش ہے کہ انگریز ہندوستان پر حکومت کریں۔ برطانوی حکومتی عملہ اُن کے اِس تعاون اور وفا سے متاثر تھا اور اُن کے ساتھ بھرپور معاونت کر رہا تھا اور حکومت کے لیے آسان ہوتا ہے کہ اپنے منظور نظر کو حکومتی ڈھانچہ میں حصہ دار بنائے۔ انہوں نے یونیسٹ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور یونیسٹ حکومت کو پنجاب میں دوبارہ قائم کرنے میں حکومتی مشینری کا کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ مگر ۱۹۴۵ء کی الیکشن کے بعد یونیسٹ کی واپسی ایک سوالیہ نشان تھی کیونکہ مل کر حکومت بنانے والی تمام پارٹیوں میں سے کسی ایک نے بھی مسلم لیگ کے برابر سیٹ نہیں لی تھی۔ مسلم لیگ ایک بھاری بھرکم مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بن کر ۱۹۴۵ء-۴۶ء کے انتخابات میں اُبھری تھی۔ اِس جماعت کی بھاری اکثریت کی وجہ سے الیکشن کے بعد سے اس صوبے کے سیاسی حالات غیر تسلی بخش ہوتے گئے۔۱۸

ابوالکلام آزاد کا پنجاب کی سیاست میں مداخلت

۱۹۴۷ء سے پہلے مولانا ابو الکلام آزاد ۱۹۲۳،۲۴ء-۱۹۳۹ء تک کانگرس پارٹی کے صدر رہے۔۱۹ پنجاب کے ۱۹۴۶ء کے انتخابی نتائج نے سب پر واضح کر دیا کہ مسلم لیگ پنجاب میں اکثریتی پارٹی ہے اور یہ واحد جماعت ہے جس نے سب سے زیادہ پنجاب اسمبلی کی سیٹ جیتی ہیں۔ یقیناً سیٹ کے حساب سے مسلم لیگ کو حکومت بنانے کا حق حاصل تھا۔ کانگرس نے ابو الکلام آزاد کو لاہور بھیجا کہ وہ معاملات کو سنبھالیں اور کچھ ایسا کریں کہ مسلم لیگ اقتدار کے ایوانوں سے محروم ہی رہے۔ ابوالکلام آزاد نے خضر حیات ٹوانہ جو کہ یونیسٹ پارٹی کے سر براہ تھے اور جن کی پارٹی کے پاس سب سے کم سیٹ تھیں، پنجاب کی وزارت عظمیٰ کی پیش کش کی۔ سکھوں اور ہندوؤں نے اُن کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلم لیگ اقتدار میں آئے۔ یہ وزارت ایک مصنوعی حکومت تھی جہاں مسلمانوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ ہندوؤں اور سکھوں کی مَن مانی تھی کیوں کہ وہ اکثریت میں تھے اور ٹوانہ کے ساتھی تقریباً ۸ یا ۱۰ مسلمان تھے۔ جو ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں میں یرغمال تھے۔ اس منسٹری نے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا اور اُن کے حقوق کو پامال کیا۔ نتیجتاً مسلم لیگ اِس حکومت

کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی اور مسلمانوں نے پورے پنجاب میں ہر فورم پر احتجاج کیا۔ خضر حیات ٹوانہ کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ وہ احتجاج کی مخالفت کرے اور اُس نے ایسا ہی کیا جہاں تک اُس سے ہو سکا۔[۲۰]

اسلام، پاکستان اور قائد اعظم

بقول قائد اعظم محمد علی جناح پنجاب پاکستان کی اسکیم میں ایک بنیادی ستون ہے۔[۲۱] اگر پنجاب کے مسلمان پاکستان کی حمایت نہ کرتے تو پاکستان کبھی وجود میں نہ آتا۔[۲۲]

پنجاب میں انتخابات سے ظاہر تھا کہ پاکستان کا وجود میں آنا کسی معجزے سے کم نہیں۔ حکومت پنجاب نے تمام چالیں چلیں کہ کسی طرح پاکستان کے ظہور کو ناکام بنا دیں۔ اِس میں بھی کچھ شک نہیں کہ برطانوی راج میں ایسے افسر بھی تھے جو غیر جانبدار تھے مگر وہ ایسے عہدوں پر نہیں تھے کہ اُن عناصر کے غیر منصفانہ اقدام کو لگام ڈال سکتے جو مسلم لیگ کو ناکام بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ الیکشن کے دوران غیر مسلم مسلمانوں کو ہر حلقے میں ہرانے کے لیے ہر قسم کے داؤ پیچ لڑا رہے تھے اُس پر طُرفہ تماشہ یہ کہ اُس وقت پنجاب کی حکومتی مشینری بھی مسلم لیگ کے خلاف تھی۔ مسلم لیگ اکثریت کے باوجود اُن کی پوری کوشش تھی کہ ایسی چالیں چلی جائیں کہ حکومت مسلم لیگ کے پاس ہرگز نہ جائے۔ میجر وائٹ انگلستان کی پارلیمنٹ کے ممبر کو بھی اِس بات کا احساس تھا کہ برطانوی حکومتِ اعلیٰ کا کردار پنجاب کے معاملے میں جانب داری کا مرتکب ہے۔ حکومت کا اثر و رسوخ نہری افسر تک ہے جو پنجاب کی زرعی معیشت میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔[۲۳]

پنجاب حکومت نے ہر حربہ استعمال کیا[۲۴] کہ مسلم لیگ کو کسی طرح ووٹ نہ ملیں۔ تمام تر سختیوں کے باوجود مسلم لیگ نے ۸۴ مسلم نشستوں میں ۷۵ نشستوں پر کامیابی حاصل کر لی۔

پنجاب کا سیاسی پس منظر

۲۹ مارچ، ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ یہ قبضہ انگریزوں کے لیے بہت ہی سود مند ثابت ہوا کیوں کہ یہ سر زمین پانچ دریاؤں کی تھی۔ یہاں کی زمین فصلوں کی صورت سونا اُگلتی تھی۔ یہاں کے لوگ جفا کش، محنتی اور لڑنے مرنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔[۲۵]

اِس علاقہ کی افادیت کے پیشِ نظر حکومت برطانیہ کے ملازمین نے ضروری سمجھا کہ اِس صوبہ کو

اپنی گرفت میں رکھا جائے۔ ان مخصوص خصوصیات کی پاداش میں انگریزوں نے پنجاب کے لیے جو قوانین وضع کیے وہ دوسرے صوبوں کے مقابلے میں بہت سخت تھے۔ پنجاب کو دستور کے مطابق بہت سی مراعات سے محروم رکھا گیا اور دوسرے صوبوں کو کئی مراعات اُس وقت میسر تھیں۔ پنجاب کا یہ حال اُنیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل تک رہا۔

انڈین کونسل ایکٹ ۱۸۶۱ء نے صوبوں کو قوانین سازی کا حق دیا۔ بنگال اور مدراس اُس سے مستفید ہوئے وہاں یہ حق انڈیا کے دوسرے صوبوں کو بھی دیا گیا۔ اس مد میں ۱۸۶۳ء اور ۱۸۶۶ بنگال اور یو پی نے کونسل کا اجارہ کیا۔ جبکہ پنجاب میں یہ ایکٹ لاگو ہوا ۱۸۹۷ء میں تقریباً اپنے اجارہ کے چھتیس سال بعد۔ پنجاب میں اِس کے کُل ۹ ارکان تھے۔ یہ ایک طرح سے صرف حفظِ ماتقدم کے طور پر تھا۔ یہ ممبر نہ تو لوگوں کے نمائندے تھے کیوں کہ انتخابات کا نظام پنجاب میں رائج نہ تھا۔ یہ ممبر لیفٹیننٹ گورنر نامزد کرتا تھا۔

انڈیا ایکٹ ۱۹۰۹ء، جو کہ مورلے منٹو کے نام سے مشہور ہے، اِس ایکٹ میں بھی پنجاب کے ساتھ روایتی سلوک برقرار رکھا اور وہی غیر منصفانہ روش اختیار کی گئی۔ پنجاب کو مرکزی قانون سازی میں صرف ایک سیٹ ملی، جبکہ منتخب ممبران کی تعداد ستائیس (۲۷) تھی اور کل ممبران ۶۰ تھے۔

اِسی قسم کا حال صوبائی سطح پر تھا۔ قانون سازی کے لیے صوبائی سطح پر ممبران کی تعداد ۲۴ تھی۔ جبکہ آسام جو پنجاب سے آبادی اور عمومی ترقی کے لحاظ سے پسماندہ صوبہ تھا وہاں ممبران کی تعداد قانون سازی کے لیے تیس (۳۰) تھی۔

پنجاب کی حالت مزاح خیز اِس حد تک تھی کہ اِن چوبیس سیٹ میں بھی صرف پانچ افراد منتخب ہو کر قانون ساز صوبائی اسمبلی کے ممبر بنے۔ ۱۹۱۲ء میں منتخب ممبر کی تعداد آٹھ کر دی گئی اور ۱۹۱۶ء کے ایکٹ کے تحت سولہ (۱۶) ہو گئی۔ اگر ہم پنجاب کا دوسرے صوبوں کے ساتھ موازنہ کریں تو اِس تبدیلی سے پنجاب کی قانون سازی میں کوئی خاطر خواہ فرق نہیں پڑا۔

برطانوی راج کا مقصد پنجاب میں مطلق العنان حکومت قائم رکھنا تھا، یعنی صوبہ کے تمام اختیارات برطانوی راج کے شکنجے میں ہوں۔

انتخاباتِ پنجاب ۱۹۳۷ء

جنوری ۱۹۳۷ء میں آئینی جدید کے تحت پنجاب اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ یونیسٹ پارٹی نے مسلم لیگ کے امیدواروں کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور تمام ممکن حربے استعمال کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب میں مسلم لیگ کو شکست ہوئی اور لیگ کے صرف دو اُمیدوار اسمبلی میں جا سکے۔ ایک ملک برکت علی، دوسرے راجہ غضنفر علی خان۔ راجہ غضنفرعلی خان چند ہی روز بعد غیر مشروط طور پر یونیسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے۔ یونیسٹ نے اِن کو پانچ سو روپے ماہوار تنخواہ اور پارلیمنٹری سیکریٹری کے عہدے سے نوازا۔[۲۶]

۱۹۳۷ء کی سیاست کے تناظر میں میاں فضل حسین نے پنجاب اور اِس کے گردونواح کے علاقوں کے بڑے پیروں کی امداد حاصل کرنے کے ایک منصوبے کی منظوری دی تھی۔ جون ۱۹۳۶ء میں یونیسٹوں نے علاقے کے معروف ترین پیروں سے رابطہ کیا اور انہیں اپنے حق میں بیان جاری کرنے کی استدعا کی۔ جن پیروں سے ان کا رابطہ ہوا ان میں پیر تونسہ، پیر گولڑہ، پیر مکھڈ، پیر فضل شاہ آف جلالپور شریف، پیر جماعت علی شاہ آف علی پور، دیوان آف پاکپتن، ملتان کے گیلانی اور قریشی پیر، بہاول پور ریاست میں مہر شریف کی چشتی درگاہ کے سجادہ نشین اور ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کی سب سے بڑی درگاہوں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور نظام الدین اولیاء کے سجادہ نشین شامل تھے۔ ان سب میں سے جلالپور شریف کے پیر فضل شاہ کے علاوہ باقی تمام حضرات نے یونینسٹوں کی حمایت کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔

۱۹۳۷ء میں پیر مکھڈ اور ملتان کے گیلانی اور قریشی پیروں نے بھی اِس وقت یونینسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی، جب انہیں انتخابات میں کامیابی حاصل ہوگئی۔ بالکل انہی کی طرح شیر گڑھ اور شاہ جیونہ کے پیر بھی، جنہیں کینال کالونیوں والے اضلاع میں بہت سے ووٹوں پر دسترس حاصل تھی۔ یونینسٹ کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۳۷ء کے برعکس ۱۹۴۷ء میں ان پیروں کا سارا زور مسلم لیگ کی طرف تھا۔[۲۷] کیوں کہ اب اسلام اور پاکستان یا ہندوؤں کی غلامی کا معاملہ تھا۔

پیر اور مشائخ، انتخابات ۱۹۴۵ء-۱۹۴۶ء

۱۹۴۵ء-۴۶ء کے انتخابات میں مذہب کا بے دریغ استعمال ہوا۔ ہندو مسلمان سکھ سب نے اپنے مذہب کی آڑ میں اپنے اپنے لوگوں کو گھیرنا شروع کر دیا۔ فیروز پور جو پنجاب مسلم لیگ کے لیڈر ممدوٹ کا حلقہ تھا، وہاں یہ پروپیگنڈا تھا کہ ہر ووٹ جو ممدوٹ کے خلاف ڈالا جائے گا اُس کی مثال ایسے ہے جیسے قصائی کی چھری سے آپ نے بھینس کو بچا لیا۔[۲۸]

پیروں کا تعاون، الیکشن ۱۹۴۵ء-۱۹۴۶ء

گیلانی بھی دوسرے سلسلوں کے پیروں کی طرح بنیادی طور پر سیاسی مفادات کے پیشِ نظر مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے۔ انہوں نے لیگ کی صفوں میں شامل ہو کر ملتان کی مقامی سیاست میں اپنے روایتی حریف قریشیوں پر سبقت لے جانے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ قریشی تب یونینسٹ پارٹی سے قریبی وابستگی رکھتے تھے۔ لیکن پرانی درسگاہوں کے سجادہ نشینوں اور پیروں نے یونینسٹ مقامی رقابتوں کے پیش نظر نہ چھوڑا بلکہ انہوں نے اپنی وفاداریوں کو مسلم لیگ کی کل ہند سطح پر بڑھتی ہوئی سیاسی ساکھ کو دیکھتے ہوئے تبدیل کیا تھا۔ زمینداروں کی طرح پیر بھی جیتنے والے فریق کا ساتھ دے کر مقامی اثر و رسوخ کو تحفظ بخشنا چاہتے تھے۔ انہیں اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ اگر انہوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کر کے اِس کے قیام کو ناکام بنایا تو وہ دیو بندی علماء کے حملوں کی زد میں آ جائیں گے۔

پیر میاں بدر محی الدین جن کو ۱۹۴۶ء میں یونینسٹ پارٹی کے اُمیدوار کی حیثیت سے معمولی فرق سے شکست ہوئی، موصوف بٹالہ میں واقع سلسلہ سے منسلک درگاہ کے سجادہ نشین کے بیٹے تھے۔ یہ درگاہ کوئی اتنی بڑی نہ تھی۔ انگریز سرکار سے وفاداری کے باعث ہی انہیں سماجی مقام حاصل ہوا تھا۔ ان کی انگریز سرکار سے وفاداری کی تاریخ جنگ آزادی سے شروع ہوتی تھی جس کے بعد درگاہ کے سجادہ نشین کو عمر بھر کے لیے جاگیر عطا کی گئی اور صوبائی درباری کی حیثیت سے بھی نوازا گیا۔ ۱۹۴۶ء میں بھی سجادہ نشیں خان بہادر سید نذر محی الدین دربار میں وراثتی نشست رکھتے تھے، جبکہ سید بدر محی الدین بھی نہ صرف آنریری مجسٹریٹ اور سب رجسٹرار تھے، بلکہ انہیں خان بہادر کا خطاب بھی حاصل تھا۔

اِس طرح سیدوں کے دیگر خانوادے بھی حکومتی وفاداری کی روایت کے علمبردار تھے۔ ایسے ہی خانوادوں میں ایک جہانیاں شاہ کے پیروں کا تھا۔ جن کے اجداد گیارھویں صدی عیسوی کے دوران

ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے۔ جہانیاں شاہ سے منسلک ۷۰۰۰ ایکڑ کی جاگیر تھی۔ علاوہ ازیں اِس کا روحانی اثر مغربی پنجاب کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا جہانیاں شاہ کے پیر انگریزوں کے وفادار تھے۔ جنگ عظیم اول میں انہوں نے ۶۵ رنگروٹ حکومت کو مہیا کیے۔ اِس کے علاوہ ۶۰۰۰ سے زائد کی رقم وار فنڈ میں جمع کرائی۔ جس کے عوض پیر سلطان علی شاہ کو صوبائی درباری بنا دیا گیا اور اِس کے بیٹے کو کینال کالونی میں پانچ مربع زمین انعام میں ملی۔ پہلے اِس خاندان کے افراد یونینسٹ کے ساتھ تھے بعد میں مسلم لیگ کے ساتھ اِس خاندان کے افراد شامل ہوئے۔ جیسے پیر غلام محمد شاہ اور میجر مبارک علی شاہ مسلم لیگ کے ممبر بنے ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں حصہ لیا اور دونوں مسلم لیگ کی نشستوں پر اپنے اپنے حلقوں سے کامیاب ہوئے۔

پنجاب میں مسلم لیگ کی کامیابی کی وجہ اجمیر شریف کے سلسلے سے تعلق رکھنے والے پیروں کی حمایت کی جو چشتیہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۹۴۰ء کی دہائی میں مسلم لیگ کے جلسے تواتر کے ساتھ درگاہ شریف میں منعقد ہو رہے تھے۔ مزید برآں عُرس کے موقع پر یہاں پنجاب کی اہم ترین درگاہوں کے سجادہ نشین بھی موجود تھے۔ نومبر ۱۹۴۵ء میں درگاہ کے سجادہ نشین مولانا سید دیوان رسول علی خان نے بھی مسلم لیگ کی حامی جمعیت العلمائے اسلام کی ہر ممکن حمایت و تعاون کرنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے دوسرے مشائخ اور مختلف درگاہوں کے سجادہ نشینوں سے مسلم لیگ کی پوری طرح سے حمایت کرنے کو کہا۔ اجمیرے سے ملنے والے اِس تعاون نے پنجاب میں چشتی اداروں کی لیگ کے لیے حمایت کو یقینی بنا دیا۔

پیروں کا کردار جھنگ، ملتان، جہلم اور کرنال کے علاقوں میں ووٹ حاصل کرنے میں سود مند ثابت ہوا۔ ۲۹

مسلم لیگ کے حامی اخبار ''ایسٹرن ٹائم'' کے ایڈیٹر خالد سعید نے اپنے اداریئے میں اِس اہمیت کو یوں اُجاگر کیا:

> وہ کیا وجوہات ہیں جن کے باعث پاکستانی سرزمین میں انقلاب برپا ہو گیا؟ وہ کیا وجہ ہے کہ اتنی عظیم تبدیلی رونما ہو گئی۔ میرے خیال میں جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے پیروں کو سب سے زیادہ داد وتحسین دی جانی چاہئیں۔ جنہوں نے جب پاکستانی قوم کو جان لیوا خطرے میں گھرے ہوئے پایا تو وہ اپنی آرام گاہوں سے نکل کھڑے ہوئے اور اپنے مریدوں کو تاکید کی کہ وہ برائی کا مقابلہ کریں اور لیگ اور پاکستان کو ووٹ دیں۔

انتخابی مہم میں طلباء کی شرکت

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ضلع راولپنڈی میں مسلم لیگ کی مقبولیت میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ گورڈن کالج، اسلامیہ ہائی اسکول کے طلباء کے علاوہ علی گڑھ اور اسلامیہ کالج پشاور کے بہت سے طلباء بھی راولپنڈی میں مسلم لیگ کی انتخابی مہم میں پیش پیش تھے۔

راولپنڈی مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن کے طلباء نے الیکشن آفس سے ووٹروں کی فہرستیں حاصل کیں اور تمام اہل ووٹروں سے رابطہ کیا اور انہیں ووٹ ڈالنے کے طریقے سے آگاہ کیا۔ اِس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے طالب علموں نے اپنی تعلیم وقتی طور پر مؤخر کر دی۔ یہ انہی طلباء کی انتھک اور بے لوث محنت کا نتیجہ تھا کہ ووٹروں کی رائے شماری کی تاریخ کے اختتام سے پہلے راولپنڈی سے تقریباً بیس ہزار افراد کو ووٹروں کی فہرست میں شامل کیا جا چکا تھا۔ جو مسلم لیگی انتخابات میں حصہ لینے کے خواہشمند تھے، ان کیلئے لازم تھا کہ وہ مسلم لیگ کے الیکشن فنڈ میں دس روپے بطور درخواست فیس جمع کروائیں۔ انتخابات کی نگرانی پنجاب مسلم لیگ کر رہی تھی، جس کا دفتر واقع میکلوڈ روڈ، لاہور تھا۔

پنجاب مسلم فیڈریشن نے فیصلہ کیا کہ ڈیرہ غازی خان میں ہونے والے ضمنی الیکشن میں عطا محمد بزدر کا ساتھ دیں گے کیوں کہ وہ مسلم لیگ کا نمائندہ ہے۔ ۱۲ لڑکوں کا وفد ڈیرہ غازی خان پہنچ گیا اِنھوں نے بزدر کی انتخابی مہم میں کافی اہم کردار ادا کیا اور بزدر 1460 ووٹ لے کر اپنے حلقہ میں کامیاب ہوا۔ یونینسٹ کا خیال تھا کہ اُن کا نمائندہ ضرور کامیاب ہو گا مگر اِن طالب علموں کی کاوش اور پاکستان اور اسلام سے وابستگی کے نعرے نے لوگوں کو مجبور کر دیا کہ وہ مسلم لیگ کے لیے ووٹ ڈالیں۔

عطاء محمد بزدر نے اِس موقع پر اسلامیہ کالج لاہور، ملتان اور ڈیرہ غازی خان کے طالب علموں کی کاوشوں کو سراہا کہ تمام پابندیوں اور سیکشن ۱۴۴ کے باوجود اِن لڑکوں نے اُن کے لیے گھر گھر جا کر لوگوں کو سمجھایا کہ وہ مسلم لیگ کے نمائندہ کو کامیاب کریں۔

ممدوٹ نے طالبعلموں کے الیکشن کے دوران اُن کی مستقل اور انتھک محنت کو سراہا۔ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا کہ جس طرح آپ طالبعلموں نے انتخابات کے دوران منظم طریقے سے انتخابی مہم کو چلایا اور کامیاب بنایا۔اس کے لیے آپ قابلِ تحسین ہیں۔

اسلام، پاکستان اور قائد اعظم

قمر یورش کا خیال ہے کہ ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے قائد اعظم محمد علی جناح کو ترغیب دلائی کہ وہ ''اسلام'' کو تحریک پاکستان میں بھرپور طریقہ سے استعمال کریں اگر وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان متحرک ہوں۔ ایک نعرہ پر چالیس کی دہائی میں بچے بچے کی زبان پر تھا کہ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ'' اصغر سودائی نے تخلیق کیا تھا۔

عام خیال یہ ہی ہے کہ پنجاب کے مختلف لوگوں نے قائد اعظم کو ترغیب دی کہ وہ اسلام کو پاکستان کی تحریک کا مجزو بنائیں۔ ان میں جناب سر ڈاکٹر محمد اقبال شاعر مشرق تھے اوروہ اسلام کا احیاء چاہتے تھے۔ اُنہوں نے قائد اعظم کو جو خطوط لکھے اُس میں اسلامی ریاست کے خدوخال واضح کیے، اُن کی شاعری میں بھی مسلمانوں کے اندر بیداری کی آرزو موجود تھی۔۳۰

عین ممکن ہے کہ اقبال کے شیدائیوں نے پاکستان کی نیت میں اسلام کا کارخیر شامل کرنا ضروری خیال کیا اور اسے انتخابات کے دوران نعرہ کے طور پر استعمال کیا۔ جسے بیشتر مسلمانوں نے لبیک کہا اور اِس نعرہ کی خاطر اپنے تن من دھن کی بازی لگانے سے بھی گریز نہ کیا۔ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ'' ۔۳۱

قائد اعظم گو کہ چاہتے تھے کہ وہ پاکستان کو قانونی طور پر مسلمانوں کو حاصل کر کے دیں۔ وہ ایک دور رس نظر رکھتے تھے، مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر لوگوں کو ساتھ ملانا ہے تو اُن کو متحرک صرف اِسی صورت کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کو درپیش مسائل کو پیش نظر لایا جائے۔ قائداعظم کے ذہن میں یہ بات تھی کہ لوگوں کو اسلام کی خاطر متحرک کیے بغیر پاکستان کا مقدمہ جیتنا مشکل ہے۔ غرض یہ کہ اسلام کا شامل کرنا ضروری تھا۔ اُس کے بغیر لوگ شاید قائد اعظم کی بات پر دھیان نہ دیتے۔ کیونکہ جن حصوں کو علیحدہ کر کے پاکستان بنانے کی بات ہو رہی تھی وہ حصے تو مسلمانوں کے ہاتھ میں ویسے بھی تھے۔ مسلمان وہاں حکومت کر رہے تھے۔ اقلیتیں اُن کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہیں تھیں اور اُن علاقوں میں معاملات کافی حد تک مسلمانوں کے قبضۂ اختیار میں تھے۔۳۲

نتائج ۱۹۴۵ء-۴۶ انتخابات

انتخابات کے نتائج نے ۱۹۴۴ء کے بعد سے مسلم لیگ کو حاصل ہونے والے عروج کو ثابت کر دیا۔ یونینسٹ پارٹی کو ۱۷۵ کی اسمبلی میں صرف ۱۸ نشستیں حاصل ہوسکیں۔ مسلم لیگ نے ۸۴ میں سے ۷۵ نشستوں پر فتح حاصل کی۔ اِس نے گیارہ کی گیارہ شہری نشستوں پر بھی کامیابی حاصل کی۔ جبکہ ۷۵ دیہی نشستوں میں سے ۶۴ پر وہ فتح یاب ہوئی۔ اسے سب سے نمایاں کامیابی مشرقی ڈویژنز (جالندھر اور انبالہ) میں حاصل ہوئی۔ جہاں کل ۷ مسلم نشستوں میں سے اِس نے ایک کے سوا تمام پر کامیابی حاصل کی۔ یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ تقسیم ہونے پر یہ علاقے ہندوستان میں رہ جانے تھے۔ ملتان اور لاہور ڈویژنز میں بالترتیب ۲۱ اور ۲۲ نشستیں حاصل کر لیں۔ صرف راولپنڈی میں لیگ کی کامیابی کا تناسب نسبتاً کم رہا جہاں اسے ۲۱ میں سے ۱۴ سیٹیں حاصل ہوسکیں۔

ان انتخابات نے پاکستان کے قیام کے پیش نظر اقلیتی قومیتوں کے سیاسی نقطہ ہائے نظر میں تبدیلی کو جنم دیا۔ ۱۹۴۶ء میں کانگرس کی کامیابی فقید المثال تھی۔ جس نے مقابلے پر آنے والے تمام ہندو اُمیدواروں کو مات کر دیا، جس میں یونینسٹ پارٹی کے اُمیدوار بھی شامل تھے۔ کانگرس کو بھیم سین سچر کی قیادت میں ۵۱ نشستوں پر کامیابی حاصل ہوئی۔ اِن انتخابات میں حصہ لینے کی غرض سے سکھوں نے پنتھک پراتی ندھی بورڈ (Panthic Pratinidhi Board) تشکیل دیا۔ جس میں کمیونسٹوں کے علاوہ باقی تمام سکھ گروہوں کو نمائندگی دی گئی تا کہ تمام سکھ دھڑے مشترکہ محاذ بنا کر انتخابات میں مقابلہ کریں۔ پنتھک سکھوں کو مجموعی طور پر ۲۲ نشستوں پر کامیابی حاصل ہوئی۔

اگرچہ ہندوؤں اور سکھوں نے مشترکہ طور پر پاکستان کی مخالفت کی لیکن اِن دونوں قومیتوں میں وہ خلیج جو کہ گوردوارہ ریفارم تحریک کے دوران حائل ہو چکی تھی جنگ کے دوران مزید وسعت اختیار کر گئی۔ سکھوں کی فوجی بھرتی کے سوال پر اکالیوں اور کانگرس میں شدید نوعیت کے اختلافات نمودار ہو گئے تھے مزید برآں سکھ بعض کانگرسی رہنماؤں کی طرف سے جن میں راجگوپال اچاریہ اور گاندھی قابلِ ذکر تھے، پاکستان کے قیام پر نرم رویہ اختیار کرنے کی وجہ سے تشویش میں مبتلا تھے۔ اِس کے علاوہ پنجابی ہندوؤں کو آزاد پنجاب کی سکیم سے کافی اندیشے لاحق تھے۔ ماسٹر تارا سنگھ اور اودھم سنگھ ناگوک جیسے قوم پرست سکھوں نے اِس سکیم کی مخالفت کی، جنہیں ہندوستان کے سیاسی حلقوں میں عزت و تکریم کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ اِس کے باوجود ۱۹۴۶ء کے آغاز تک پاکستان کے قیام

کے خلاف مشترکہ محاذ عمل تشکیل نہ دیا جا سکا۔[۴۳] عیسائی طبقہ نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔[۴۴]

فیروز خان نون کی انتخابات کے حوالے سے دلچسپ کہانی

مشرقی پنجاب

بقول فیروز خان نون (کتاب چشم دید، ص۲۷۸) مشرقی پنجاب سے سات مسلمان انتخابات کے لیے کھڑے ہوئے۔ مسلم لیگ کے مختلف لیڈران کو مختلف علاقے تفویض ہوئے جہاں اُنھوں نے مسلم لیگ کے لیے کام کرنا تھا۔ فیروز خان کو مشرقی پنجاب کا علاقہ دیا گیا۔ وہاں ہندوؤں اور سکھوں کی اکثریت تھی۔ اِس علاقے میں مسلم لیگ کی حمایت میں کام کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ یہاں کسی کو اُمید نہ تھی کہ اس علاقے میں مسلم لیگ کے لیے ایک سیٹ بھی جیت سکیں گے۔ فیروز خان نون لکھتے ہیں کہ وہ ایسے سات اُمیدوار ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے جو مشرقی پنجاب سے مسلم لیگ کے لیے سات نشستیں جیتنے میں کامیاب ہوں گے۔ فیروز صاحب کو رہتک میں کوئی مناسب شخص انتخاب کے لیے نہیں مل رہا تھا۔ یہاں کی نشست شفیع علی خان جو یونینسٹ پارٹی سے تعلق رکھتے تھے اُن کے پاس تھی۔ بہر حال یو پی کے نواب باغپت کی مدد سے فیروز صاحب نے ایک راجپوت وکیل کو ڈھونڈ نکالا جو اِس نشست پر کامیاب ہوا۔ بہاولپور کے وزیر اعلیٰ سر رحیم بخش کے بھتیجے صوفی عبدالحمید نے فیروز خان نون کو دعوت دی کہ اُن کے حلقہ میں آئیں اور اُن کی انتخابی مہم میں مدد کریں۔ فیروز صاحب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ جی ٹی روڈ پر گاڑیوں کی قطار لگی ہے اور عبدالحمید اُن کا انتظار کر رہے ہیں۔ پاس ہی پولیس کا ایک سکھ سب انسپکٹر کھڑا تھا وہ فیروز صاحب کو ایک طرف لے گئے اور فرمانے لگے کہ ہم لوگ جلسہ نہیں کر سکتے کیونکہ سکھ انسپکٹر جو یونینسٹ کا ہمدرد ہے نے گاؤں والوں کو دھمکی دی ہے کہ اگر انہوں نے جلسے میں شرکت کی تو سنگین نتائج کے ذمہ دار ہونگے۔ چنانچہ تمام مسلمان اپنے گھروں میں گھس کر بیٹھ گئے اور باہر نکلنے سے انکار کر دیا۔ فیروز صاحب نے تجویز دی کہ کیونکہ اب ہم یہاں آ گئے ہیں اس لیے گاؤں میں جانا ضروری ہے اور ایک مسلم لیگی کو کہا کہ وہ گاؤں میں اعلان کرائے کہ پولیس انسپکٹر ان سے ملنا چاہتا ہے اس لیے وہ سب ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں۔ پولیس انسپکٹر بھی فیروز صاحب کے ساتھ ساتھ تھا۔ جب فیروز نے اُن سے پوچھا کہ آپ ہمارے ساتھ کیوں ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ''وہ اُن کی مبارک ہستی کے قریب رہنا چاہتا ہے''۔ اب لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ فیروز نے ہندوؤں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ کانگرس پارٹی کی حمایت

کریں۔ سکھوں سے کہا کہ اکالی پارٹی کی حمایت کریں۔[۳۵] اور مسلمانوں سے کہا کہ آپ مسلم لیگ کو ووٹ دیجیے۔ اس تقریر سے گاؤں کی فضا بدل گئی۔ اس علاقہ میں ہندو اور مسلم سب ایک قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے، باقی ہندو مت پر قائم تھے۔ دونوں فرقوں میں تعلقات رواداری پر مبنی تھے۔

جب فیروز خان گاؤں سے واپس آنے لگے تو ہندو نمبردار نے اُن سے پوچھا کہ اِس ۵۰ ایکڑ زمین کا کیا ہو گا جو حکومت نے اُسے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ فیروز خان نون نے جواب دیا کہ تمھیں حکومت سے انعام قبول کرنا چاہیے، لیکن حمایت کانگرس پارٹی کی کر کہ زمین حکومت کی ذاتی ملکیت نہیں ہے، یہ تو عوام کی ملکیت ہے اور اگر یہ تمہاری خدمات کے صلے میں دی جا رہی ہے تو بے شک یہ تمہارا حق ہے اگر تم اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دو گے تو یقیناً کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ اُسے اس بات سے بے حد خوشی ہوئی۔ گاؤں کے مسلمان بھی بہت خوش ہوئے اور عبدالحمید مسلم لیگ کی طرف سے اس حلقہ میں کامیاب ہوئے۔[۳۶]

یہ بات واضح نظر آ رہی تھی کہ انگریز ہندوستان چھوڑ دیں گے، اور اب اس کا انحصار مسلمانوں پر تھا کہ ہندوستان کا بٹوارہ کرا کے پاکستان بنوائیں لیکن چند بہت بڑے برطانوی حکام نے پنجاب یونینسٹ پارٹی کو یقین دلایا تھا کہ برطانیہ ہندوستان نہیں چھوڑے گا اور وہ سمجھتی تھی کہ وہ ہندوؤں اور سکھوں کے تعاون سے حکومت کی تشکیل میں کامیاب ہو جائے گی۔ اگرچہ اس حکومت میں ۲۱ مسلمان یونینسٹ کی تعداد بہت مختصر تھی۔ ان حکام کو غالباً یہ علم نہ تھا کہ لندن میں کیا ہو رہا ہے اور اگر علم تھا تو سیاست کا تقاضا تھا کہ حقائق کو اپنے دوستوں سے آخری لمحہ تک اس توقع کے تحت چھپایا جائے کہ پاکستان نہیں بنے گا۔ لیکن انگریز ہندوستان سے نکلے۔ رائے عامہ کا احترام ان کے خمیر کا حصہ ہے۔[۳۷]

اختتامیہ

انتخابات تبدیلی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ ۱۹۴۵ء-۴۶ کے انتخابات کے نتائج نے واضح کر دیا کہ مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے جو اپنے لیے ایک الگ ملک ''پاکستان'' کی تشکیل کے لیے کوشاں ہے۔ انتخابات کا سارا زور اِسی نکتے پر تھا کہ مسلم لیگ کو ووٹ دینے کا مطلب ہے ہندوستان کا بٹوارا اور دو مملکتوں کی تشکیل۔ انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی نے مسلمانوں کو ایک

الگ تشخص دیا اور وہ ایک قوم کی حیثیت سے پاکستان کے حق دار قرار دیے گئے۔ یہ سفر اُس وقت کے مسلمانوں کے لیے کتنا کٹھن تھا اِس کی داستان تاریخ کے صفحات میں بکھری پڑی ہے۔ تاریخ کا سفر جاری ہے پاکستان کے مسلمانوں نے بہت سے انتخابات سے گزرنا ہے۔ ہر انتخابات میں ہمیں اولیت اپنے منتخب کیے ہوئے سنہری اصولوں کو دینا ہو گی کہ ہم اپنے لوگوں کی ذہنی اور مادی ترقی پر اپنے مذہب اسلام کے قوانین کی پاسداری اور اعتدال کا راستہ اختیار کریں گے۔

حوالہ جات

۱- سید صلاح الدین اسلم، *مَن کے رہا پاکستان*، گُل پبلشرز، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ص ۶۰۔

۲- اسد سلیم شیخ، *انسائیکلو پیڈیا تحریک پاکستان*، سنگ میل پبلی کیشن، ۱۹۹۹ء، ص ص ۱۳۶-۱۳۸۔

۳- ایضاً۔

۴- ایضاً۔

5. K.K. Aziz, *Historical Handbook of Muslim India 1700 - 1947*, Vol II, (Islamabad, Venguard, 1995), p. 437.

۶- ایضاً، ص ۴۳۵۔

7. Sarfaraz Hussain Mirza, *The Punjab Muslim Student Federation 1937 - 1947*, (Islamabad, NIHCR, 1991), p. 342.

۸- ایم جے اعوان، *تحریک آزادی میں پنجاب کا کردار، ۱۸۵۷ء-۱۹۴۷ء*، اسلام آباد، ماڈرن بک ڈپو میلوڈی، ۱۹۹۳ء، ص ۲۸۱۔

۹- زاہد چودھری، *پاکستان کی سیاسی تاریخ*، جلد ۵ مسلم پنجاب کا سیاسی ارتقاء ۱۸۴۹-۱۹۴۷ء، لاہور ادارہ مطالعہ پاکستان، ۱۹۹۱ء، ص ص ۳۷۷-۳۷۸۔

10. Nicholas Mansergh, *The Transfer of Power, January - April 1942*, Vol I, (London, Her Majesty's Stationery Office, 1970), p. 565.

۱۱- عذرا وقار، *تحریکِ پاکستان اور نوائے وقت: منتخب مضامین ۱۹۴۴-۱۹۴۷ء*، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص ث۔

12. Riaz ahmad (ed.), *The Punjab Muslim League Secret Police Report*, (Islamabad, NIHCR, 2008), p. 1717 & Amarjit Singh, *Punjab Divided Policies of the Muslim League and Partition 1937 - 37*, (New Delhi, Kanishka Publishers, 2001), pp. 152-153.

۱۳- ڈان، دہلی، ۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء۔

۱۴- ہندوستان ٹائمز، نیو دہلی، ۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء

۱۵- ایضاً ص ۳۔

۱۶- تفصیل کے لیے دیکھیں پرائیویٹ خطوط لارڈ ویول بنام لارڈ پیتھک لارنس بتاریخ ۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء، ٹرانسفر آف پاور، جلد ششم ص ۳۱۹۔

۱۷- ڈان، دہلی، ۷-۱۲-۴۵۔

18- House of Commons Official Report, Column 2658, Cat. No.L/P&J/8/470, dated 6th December, 1945.

19- I.S-Jehu, (ed), *The Indian and Pakistan Year Book & Who's Who 1949*, Vol XXXV, Bennett Coleman & Co Ltd; Bombay and Calcutta, 1950, p. 689.

20- Kripal Singh (ed), *Selected Documents on Partition of Punjab 1947*, National Bookshop, Delhi, 1991, p. 413.

21- Syed Sharifuddin Pirzada, *Foundation of Pakistan All India Muslim League Documents 1906 - 47*, Vol II, Islamabad, NIHCR, 2007, p. 376. Also see Kaniz. F. Yusuf and others (ed.), *Pakistan Resolution*, Revisited (Islamabad, NIHCR, 1990).

22- Ian. A. Talbot, *The Growth of Muslim League in the Punjab 1937 - 46*, in Mushir ul-Hasan, *India's Pakistan: Process, Strategy and Mobilization*, New Delhi, OUP, 2001, p. 235.

23- House of Commons Debates, 6th December 1945, Elections Returns 1945-46, NDC, Acc # 7847, OICO Cat. No.L/P&J/8/470.2701.

24- Amarjit Singh (ed.), *Jinnah and Punjab*, New Dehli, Kanishka Publishers and Distributers, 2007, pp. 202-203. For detail read Viqar-un-Nisa Noon's letter to Jinnah 10th October, 1945, explaining Punjab political situation. Waheed Ahmad (ed.) *The Punjab Story 1940-47*, Islamabad, National Documentation Centre, 2009, pp. 363-365.

25- Kirpal C. Yadav, *Elections in Panjab 1920-1947*, Study of Languages and Cultures of Asia & Africa, Monograph Series. No. 16, Tokyo, 1981, p. 3.

۲۶- عاشق حسین بٹالوی، ہماری قومی جدوجہد، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۳۵۰۔

۲۷- آئن ٹالبوٹ، مترجم طاہر کامران، تاریخ پنجاب ۱۸۴۹ء-۱۹۴۷ء، تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۶، ص ص ۱۲۹-۱۳۰۔

۲۸- سرفراز حسین مرزا، دی پنجاب مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن ۱۹۳۷-۴۷ء، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹریکل اینڈ کلچرل ریسرچ، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص ۴۱۱۔

۲۹- طاہر کامران، ص ۲۲۸۔

۳۰- ایضاً، ص ۸۳۔

31- Ishtiaq Ahmed, *The Punjab Bloodied Partitioned, Partitional and Cleansed*, Unravelling the 1947 Tragedy Through Secret British Reports and First Person Accounts. Karachi, OUP, 2012, p. 83.

32- Ibid., p. 84.

۳۳- طاہر کامران، تاریخ پنجاب ۱۸۴۹ء-۱۹۴۷ء، تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۶، ص ۲۳۱۔

34- Kirpal Singh (ed), *Selected Documents on Partition of Punjab 1947*, pp. 379, 452-453.

۳۵- فیروز خان نون، چشم دید، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۲۷۹۔

۳۶- ایضاً، ص ۲۸۵۔

۳۷- ایضاً، بقول فیروز خان نون۔